قصیدہ

در مدح فرزندِ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؑ حضرت امام علی نقیؑ

مولوی سید کلب احمد نقوی ماتؔی جائسی

حُسنِ رنگین بَہاراں جب جہاں آرا ہوا
صحنِ گیتی جلوہ دارِ جنّت الماویٰ ہوا

روکشِ تسنیم وکوثر بن گئی ہر جوئے بار
ہر نہالِ باغ رشکِ سدرہ وطوبیٰ ہوا

حورِ مستورِ نمو سے اپنا رشتہ جوڑ کر
جورِ عفریت خزاں سے سبزہ بیگانہ ہوا

لالۂ وگُل کا چمن کے صحن میں یہ رنگ ہے
جیسے طالع چرخ پر مہر فلک پیما ہوا

باغ کیا پھولے سمائے جب اُسے یہ ناز ہو
میں ہوں آغوشِ بہارِ دہر کا پالا ہوا

ہے چمن معمورہ رنگ وتعطّر دیکھنا
فیضِ فطرت ہے کہ ہے گلزار پر چھایا ہوا

پھول گلبن پر ہے کیسی تمکنت سے جلوہ گر
جیسے کوئی شاہ باشوکت سریر آرا ہوا

صحنِ گلشن میں نسیم صبح اور اس کا خرام
اِک فسوں ہے حُسنِ افسوں ساز کا پھونکا ہوا

جانِ موسیقی ہیں مرغانِ چمن کے چہچہے
زمزموں سے گنبدِ دوّار ہے گونجا ہوا

کیوں نہ معمورِ مسرّت ہوں نہ افلاک وزمیں
خَلق میں دسواں امام دو جہاں پیدا ہوا

خوش ہوا اے ماتؔی کہ دیتا ہے نوا سنجی کا ساتھ
سازِ دل مضرابِ حبّ آل کا چھیڑا ہوا

اہلِ ایماں کو سنا دے اب غزل کے رنگ میں
نغمۂ جنّت بہشتی حور کا گایا ہوا

تم ہو بالیں پرتو دم آنکھوں میں ہے آیا ہوا
روح میں صد شکر نیروئے نظر پیدا ہوا

تم کو کیا پروا تھی کیوں دل کی طرف کرتے نگاہ
رحمت اس دل پر کہ بے کس نذر استغنا ہوا

غم ہے آزادوں کو ماضی کا نہ رونا حال کا
آج جو ہونا ہے ہوگا، کل جو ہونا تھا ہوا

اجر قدرت خود عطا کرتی ہے قربانی ہے شرط
بحر میں قطرے نے کی ہستی فنا دریا ہوا

جاں فزا ہر جنبشِ لب، دل نشیں اک ایک حرف
روح پرور ہر سخن ہے تیرا فرمایا ہوا

تھی نشاطِ جاودانی وقتِ آخر تیری دید
چین سے ہے قبر میں اک عمر کا ترسا ہوا

منزلیں حیرت کی ہیں، موسیٰؑ نے کھوئے اپنے ہوش
جان دے دی میں نے جب تو انجمن آرا ہوا

موت سے لیتے ہیں اہل دل مسیحائی کا کام
رازِ بربادی کھلا آباد جب صحرا ہوا

ماتیؔ عاصی ہے اولادِ نقیؑ پاک سے
دس شرف کی منزلوں سے ہے نسب گذرا ہوا

شانِ جد میں ہے وہ مطلع جس کا مفہوم بلند
ہے جلی حرفوں میں لوحِ عرش پر لکھا ہوا

اے نہم فرزند حیدرؑ کس کا یہ رتبہ ہوا
تیرا بیٹا باپ شاہنشاہِ قائمؑ کا ہوا

حکم تیرا امرِ خالق ہے کہ دستر خوان پر
ساحر گستاخ لقمہ شیرِ قالیں کا ہوا

تو امامِ خلق ہے مولا عجب کیا ہے اگر
سر درندوں کا ترے قدموں پہ ہے رکھا ہوا

کیا غضب ہے یہ کہ وحشی تو ہوں تیرے حق شناس
دشت وحشت میں ہو سرکش آدمی کھویا ہوا

اے کہ تیرا نور، نور کبریائے پاک ہے
تیرا گھر بن کر مرا ویران دل کعبا ہوا

معرفت تیری بہ حدِّ معرفت کیا ہو سکے
بس تجھے آقا سمجھ کر میں ترا بندا ہوا

اب کہاں جاتا ہوں مولا تیری ڈیوڑھی چھوڑ کر
سر ہے تیرے آسانِ پاک پر رکھا ہوا

اک طرف آلام دُنیا اک طرف عقبیٰ کی فکر
ہے دِل پُر آرزو دُکھتا ہوا ڈرتا ہوا

تو ہے اے مولا مرے دونوں جہاں کا بادشاہ
تیرا وہ رُتبہ جو تیرے جدّ و آبا کا ہوا

تو ہے ہم نامِ علیؑ مشکل کشائے کائنات
اور میں بندہ ترا مشکل سے گھبرایا ہوا

یوں تو مانگی ہے ہمیشہ تیرے دروازے پہ بھیک
آج تیرے خاص قدموں سے ہوں میں لپٹا ہوا

جانِ زہراؑ و نبیؐ، اے ورثہ دارِ نُہ امام
تجھ سے کب مایوس کوئی مانگنے والا ہوا

تیرا اعجازِ کرم ہے مرہم زخمِ جگر
جوڑ دے اے چارہ سازِ خلق دل ٹوٹا ہوا

خونِ ناحق

عباس رضا تنویرؔ ماہلی

مری آرزو ہے مجھے شہر علم سے
کوئی گوہر علم ہو عطا

میری التجا ہے کہ ہو باب شہر علم
کبھی میری فراست وفہم پہ وا

تو میں اپنے فن کا نقیب بن کر
تمام اہل شعور کے اذہان عالیہ کو خطاب کرتا

حیات کے بیکراں سمندر سے
ایک قطرہ نصاب کرتا

وہ ایک قطرہ
یہ کائنات جس کی وسعتوں کا ہے ایک حصہ

وہ ایک قطرہ
کہ جس میں شامل ہے روز اول سے آج تک کا تمام قصہ

وہ ایک قطرہ
جو کربلا میں گلوئے بے شیر سے گرا تھا